محترمہ ممتاز اعجاز

خلیفہ عبدالحکیم کا اسلوبِ تنقید

اُردو تنقید کی تاریخ میں خلیفہ عبدالحکیم کی تنقیدی حیثیت ہرچند کہ زیادہ نمایاں نظر نہیں آتی اور وہ نقاد سے زیادہ فلسفی کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں۔ تاہم رومی، غالب اور اقبال کے افکار و نظریات پر گرانقدر تنقیدی کتب لکھ کر وہ اس میدان میں خاصا نام پیدا کر چکے ہیں معلوم ہوتا ہے فلسفہ ان کی زندگی تھا اور ادب ان کا ذوق۔

خلیفہ صاحب کی تنقید جرمن نقاد اسکالجر اور مشرقی نقاد امداد امام اثر (مصنّف کاشف الحقائق) سے مشابہ ہے۔ یہ دونوں نقاد بھی تشریحی تنقید کے حامی رہے ہیں امداد امام اثر کے ہاں تو تشریحی تنقید کے ساتھ ساتھ تقابلی تنقید بھی نظر آتی ہے۔

خلیفہ صاحب نے افکارِ غالب، فکرِ اقبال، تشبیہاتِ رومی اور حکمت رومی میں غالب، اقبال اور رومی کے افکار کی تشریح بہت دلکش تنقیدی اسلوب میں کی ہے۔ اس بات کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگرچہ یہ کتابیں ضخیم ہیں پھر بھی پڑھنے والا شگفتگی تحریر کی وجہ سے اکتاتا نہیں بلکہ ایک نیا لطف محسوس کرتا ہے۔

تشریحی تنقید میں تنقید نگار موضوع تنقید کے علاوہ کچھ اپنے خیالات بھی پیش کرتا ہے۔ اس طرح فکرِ اقبال اور افکارِ غالب میں خلیفہ صاحب نے اقبال اور غالب کے علاوہ اپنے خیالات بھی بین السطور پیش کیے ہیں۔ خاص طور پر فکرِ اقبال میں خلیفہ صاحب کے ذاتی نظریات و خیالات تو علامہ اقبال کے خیالات سے یوں ہم آہنگ ہیں کہ دونوں کو الگ الگ کرنا بہت مشکل ہے۔ اور کیوں نہ ہو دونوں فلسفی، دونوں میں علم و ادب کا ذوق رچا ہوا، دونوں مشرقی و مغربی علوم کے شناور دونوں کی فکری سطح بلند اور دونوں میں ذوقِ اجتہاد ظاہر و باہر!

حکمتِ رومی

خلیفہ صاحب کو رومی سے خاص لگاؤ تھا، جس کا اظہار ان کی کتابوں رومی کی مابعد الطبیعیات۔

تشبیہات رومی اور حکمت رومی سے ہوتا ہے۔

حکمت رومی میں رومی کی مثنوی میں پوشیدہ اسرار کو آشکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ مثنوی مطالب کے لحاظ سے ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارا نہیں لیکن خلیفہ صاحب نے اس اسرار و رموز کی جو مفکرانہ تفسیر کی ہے وہ کسی دوسرے کے حصے میں نہیں آئی۔

بقول بشیر احمد ڈار مولانا روم نے تمام حقائق عالیہ کو جو ان کے ذاتی اور نفسی تجربات پر مبنی تھے چند حکایتوں اور کہانیوں کے لباس میں پیش کیا ہے ان کے ہاں قرآن حکیم کی اچھوتی تفسیر بھی ملتی ہے اور مختلف احادیث نبوی کی تشریح بھی اور اسرار حیات کی عقدہ کشائی بھی ہے اور اس کوشش میں انسان کی عقلی کم مائیگی کا اقرار بھی، علم و حکمت کی گہرائیوں میں غوطہ زنی بھی ہے اور گوہر مراد تک پہنچ کر اپنی کم فہمی کا عاجزانہ احساس بھی۔ خاک کے اس ڈھیر میں چنگاریوں کو تلاش کرنا اور چھلکوں سے قطع نظر کر کے مغز تک جا پہنچنا ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ خلیفہ عبدالحکیم سے بہتر اس دور میں شائد ہی کوئی اور شخص اس کام کو پوری طرح نباہ سکتا۔

رومی سے خلیفہ صاحب کا تعلق بلاواسطہ بھی ہے اور اقبال کے واسطے سے بھی ہے اسی واسطے کے تحت خلیفہ صاحب کی بلند پایہ تصنیف حکمت رومی معرض وجود میں آئی۔ یہ کتاب ۱۹۵۵ء میں ادارۂ ثقافت اسلامیہ کی طرف سے شائع ہوئی۔ ۲۹۷ صفحات کی یہ کتاب علم و حکمت کے جواہر ریزوں سے بھرپور آنکھوں کو خیرہ اور دماغ کو روشن کر رہی ہے اور کرتی رہے گی۔

اس کتاب کا دیباچہ جس کا عنوان ہے "آغاز" ۲۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے بعد سات معرکہ آرا ابواب ہیں۔

۱ - عشق

۲ - وحی و الہام

۳ - وحدت الوجود

۴ - آدم

۵ - صورت و معنی

۶ - عالم اسباب

۷۔ سلسلہ علت و معلول

۸۔ جبر و قدر

"آغاز" میں خلیفہ صاحب نے بتایا ہے کہ مثنوی کے بارے میں لوگوں کی کیا رائے ہے۔ مولانا روم نے مثنوی میں کیا کیا مضمون ادا کیے ہیں اور ان کو کس طرح تشبیہات سے واضح کیا ہے خلیفہ صاحب نے مولانا روم کے مضامین اور ان کے افکار بڑے اچھے منطقی انداز میں پیش کیے ہیں۔ اور ان کے افکار و نظریات واضح کرنے کے لیے حافظ، ذوق، غالب اور اقبال کے اشعار اور دوسرے مفکرین کے خیالات تقابل کے طور پر پیش کیے ہیں۔ "آغاز" میں خلیفہ صاحب نے مثنوی کے بارے میں یہ رائے پیش کی ہے۔

"تمام مثنوی کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی وسعتِ نظری نے ان کو حقیقت شناس کر دیا ہے اور چونکہ وہ حقیقت کے کسی پہلو سے گریز نہیں کرتے اس لیے تمام فرقوں کے پیرو ان کے بیانات سے اپنے لیے سند حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جزوی طور پر ہر ایک کو کچھ نہ کچھ مل جاتا ہے" [1]

خلیفہ صاحب مثنوی معنوی کو کئی حیثیتوں سے تفسیر قرآن سے مماثلت دیتے ہیں۔ خلیفہ صاحب اس کی ایک اہم وجہ یہ بھی بتاتے ہیں کہ تمام فرقے مثنوی سے سند حاصل کر کے اپنے عقائد کا اثبات کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں مولانا روم نے جو اشعار پہلے صفحے پر پیش کیے ہیں وہ اسی طرح تمام مثنوی کا خلاصہ اور عطر ہیں، جس طرح سورۂ فاتحہ پورے قرآن کا نچوڑ ہے۔ حکمتِ رومی کے "آغاز" میں اس بات کو خلیفہ صاحب یوں بیان کرتے ہیں۔

"قرآن کریم کا انداز اختیار کرتے ہوئے مثنوی کو بھی اسی طرح شروع کیا گیا ہے کہ جس طرح سورۂ فاتحہ تمام فرقانِ حمید اور کتابِ حکیم کا لبُ لباب ہے۔ اسی طرح روح کو بانسری سے تشبیہہ دے کر تمام عرفان و تصوف کا خلاصہ پہلے صفحے پر چند اشعار میں پیش کر دیا ہے۔ مثنوی کے تمام دفتر انہی اشعار کی شرح ہے" [2]

اِس حصے میں خلیفہ صاحب نے مولانا روم کے روحِ انسانی، ہستی کا آغاز اور انجام، وحدتِ الٰہی موسیقی یا نغمہ، عشق اور اس قسم کے دیگر عارفانہ افکار و نظریات کو موضوعِ سخن بنا کر انھیں بڑی اچھی طرح

---

[1] حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم۔ ص ۷

[2] حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم۔ ص ۷

تشبیہات متفکرین اور شعرا کے تقابل سے پیش کیا ہے۔

"آغاز" کے بعد جو باب ہے اس کا عنوان ہے عشق۔ خلیفہ صاحب نے کہا ہے کہ عشق رومی کا اہم ترین موضوع ہے اور ان کی تمام مثنوی عشق اس کے مختلف مدارج کی تفسیر نظر آتی ہے بقول خلیفہ صاحب مولانا روم کے نظریۂ حیات کا لب لباب یہ ہے کہ روحوں کا اصلی مرکز اور مقام ذاتِ الٰہی ہے۔ کسی ناقابلِ فہم حکمت اور ناقابلِ ادراک مشیت سے یہ ارواح اپنی اصل سے الگ ہو گئیں۔ اور قرار نہ پانے کی وجہ سے ہر روح بیتاب ہے اور واصل باللہ ہونا چاہتی ہے ہر روح اپنی اصل کی جانب کشش محسوس کرتی ہے۔ اس کا نام عشق ہے تمام حیات و کائنات اسی جذب و کشش کا مظہر ہے روح اور وجود پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے مقامات تصوف کے مختلف مدارج کو بیان کیا ہے۔ عالمِ ارواح وجودِ حقیقی اور قالب روح مختلف مدارج کو بیان کیا ہے۔ عالم ارواح، وجودِ حقیقی اور قالبِ روح مختلف روحانی مقامات ہیں جو صفات ابدی اور صفاتِ الٰہی کے تعلقات واضح کرتے ہیں عقل اور عشق پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے کہا ہے کہ مولانا روم کے نزدیک عقل کا کمال یہ ہے کہ وہ عقل نبوی کا درجہ حاصل کرے اور عشق کا کمال یہ ہے کہ وہ حقیقت روحی کی تفسیر بن جائے۔ عقل، عشق اور قلب کے مختلف مقامات صوفیانہ اور فلسفیانہ اصطلاحات میں خلیفہ صاحب نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیے ہیں۔

تیسرا باب "وحی والہام" کا ہے۔ خلیفہ صاحب نے کہا ہے کہ مولانا روم وحی والہام میں فرق نہیں کرتے وہ الہامات کے لیے یا ماورائے عقل و حس یا بصیرت کے لیے وحی کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ حواس باطنی کو بھی اقسام وحی میں ایک قسم ظاہر کرتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں کہ علوم و فنون مثلاً علم طب بھی وحی سے پیدا ہوتے ہیں۔ وحی کا محل قلبِ انسانی ہے اور قلبِ انسانی قلبِ ملکوتی ہوتا ہے وحی کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے مختلف صوفیوں کے نظریات پیش کیے ہیں۔ اس میں بعض صوفی وحی کو معروضی حقیقت سمجھتے ہیں۔ مگر اُسے خالصتاً موضوعی قرار دیتے ہیں۔ مولانا عبدالعلی بحرالعلوم کا یہ نظریہ خلیفہ صاحب نے حکمتِ رومی میں پیش کیا ہے۔

"رسولوں کو جو جبرئیل کی صورت نظر آتی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ وہ انھیں خدا کا پیغام پہنچا رہے ہیں تو حقیقت جبرئیل خود رسولوں کی روحانی قوتوں میں سے ایک قوت ہے۔ عالمِ مثال میں حقیقت

ایک صورت اختیار کر لیتی ہے۔ حقیقت جو رُوحِ نبوی میں مکنون اور مخفی ہوتی ہے وہ متمثل اور مشہود ہو جاتی ہے اور پیغامِ حق پہنچاتی ہے۔ رُسول کسی دوسرے سے نہیں بلکہ خود اپنی ذات سے مستفیض ہوتا ہے رسول جو کچھ مشاہدہ کرتا ہے وہ اس کے اپنے باطن کے خزانے ہی سے نکلتا ہے۔" ۳۵

الہامِ اولیا اور الہامِ شعرا مختلف مدارج کے ساتھ انہی سلسلوں کی کڑیاں ہیں۔ خلیفہ صاحب نے صوفیا کے ان حقائق کو جدید نفسیات کی روشنی میں بیان کیا ہے۔ تحت الشعور، لاشعور اور فوق الشعور کی اصطلاحیں اسی باب میں بیان کی گئی ہیں اور صوفیا کے تجربات و نظریات کو جدید علوم کی روشنی میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ چوتھا باب وحدت الوجود کا ہے۔ وحدت الوجود کا مسئلہ صوفیا کا اہم ترین مسئلہ ہے اس پر اختلاف اور مفاہمت کے بے شمار مباحث سامنے آتے ہیں۔ خلیفہ صاحب کا کہنا ہے کہ اسلامی نظریہ وحدت الوجود کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے سوا کسی چیز کا وجود نہیں جو کچھ ہے اس کی ذات کا مظہر ہے۔

وحدت الوجود کے پیروکار صوفیا میں رومی کا درجہ بہت بلند ہے۔ وحدت الوجود کا فلسفہ اقوامِ عالم میں ہر مذہب کے ہاں موجود ہے۔ حتیٰ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف مذاہب میں اس کے نقوش مختلف ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ہاں یہ نظریہ وحدانیت بدھ مت کے نظریہ وجود سے اور یونانی فلاسفہ کی تعلیمات سے بالکل جداگانہ نوعیت کا حامل ہے۔ وحدت الوجود کے فلسفے پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے مفتاح العلوم کے مصنف مولوی محمد نذیر صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"وحدت الوجود کے قائل صوفیا کہتے ہیں کہ وجودِ مطلق ایک ہی ہے جو وجوب و امکان، قدیم و حادث، مجرد و جسمانی، مومن و کافر، ظاہر و نجس وغیرہ مختلف مظاہر میں ظاہر ہے۔ لیکن ہر مظہر کا حکم جدا ہے اور مظاہر کے احکام میں فرق قائم کرنا ضروری ہے۔ چنانچہ مومن کے لیے نجات کا حکم ہے اور کافر کے لیے قتل و قید کا حکم ہے۔" ۳۶

خلیفہ صاحب نے ان مباحث میں تصوّف کے بارے میں مختلف گروہوں کے حوالے دیے ہیں۔

---

۳۵ حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۹۵

۳۶ حکمتِ رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۱۵۸

شاہ عبدالعزیزؒ کے فتاوی عزیزی قاضی ثناء اللہ پانی پتی کے رسالہ وحدت الوجود، احسن کانپوری اور شیخ ولی محمد وغیرہ کی تصنیفات پر تفصیل سے بحث کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی تقابلی مطالعہ کے لیے مغربی متصوفین کے حوالے بھی دیے ہیں۔ ولیم جیمز امریکی فلسفی اور شوپن ہار کے حوالے اس سلسلے میں بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

"شوپن ہار کہتا ہے کہ وحدت الوجود کا نظریہ الحاد کی شاعری ہے اور امریکی فلسفی ولیم جیمز کہتا ہے کہ وحدت وجود اخلاقی تعطیل ہے یعنی ذات واحد کے لازمی مظاہر ہونے کی وجہ سے خیر و شر کا باہمی امتزاج محض اعتباری رہ جاتا ہے۔" [۵۵]

وحدت الوجود کے خلاف مسلمان صوفیہ کے مباحث بھی کچھ کم نہیں۔ اس فلسفے کے متوازی ایک دوسرا فلسفہ قائم کیا گیا، جسے وحدت الشہود کہا جاتا ہے۔ توحید وجودی اور توحید شہودی کے قائل مسلمان صوفیہ کے دو الگ الگ گروہ ہیں۔ توحید شہودی کا مطلب یہ ہے کہ عالم خدا کی صفات کا مظہر ہے۔ وہ خدا اور موجودات کو دو الگ الگ حقیقتیں تسلیم کرتے ہیں۔ وحدت الشہود کی مثالیں ایران میں شیخ سعدی اور ہندوستان میں حضرت مجدد الف ثانی کی تعلیمات میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔

پانچواں باب آدم کے بارے میں ہے۔ خلیفہ صاحب نے کہا ہے کہ مقام آدم کے بارے میں مولانا روم کا نظریہ تمام فلسفیوں سے جداگانہ ہے۔ انسان فکر و عمل اور جذبات و عقائد کا مجموعہ ہے اور خلیفۃ اللہ اور مفکر کائنات ہے۔ مولانا روم نے آدم کی حقیقت قرآنی تعلیمات کے مطابق بیان کی ہے۔ عقل کے مختلف مدارج میں عقل انسانی سے لے کر عقل الٰہیہ تک کے مدارج کو انسانی ارتقا کا زینہ قرار دیا ہے۔ اس سلسلے میں نطشے اور ڈارون کے نظریات پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب نے بیان کیا ہے کہ نطشے یا برگساں انسان کی تفہیم میں اور انسان کے مقام و مدارج کے تعین میں رومی کی گرد تک نہیں پہنچ پائے۔ انسان جس قدر باطن کو صاف کرتا ہے اسی قدر اس کی آگاہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ خلافت رہبری کی منزلت حاصل کر لیتا ہے۔ مولانا روم کے نظریات کو صحیح طور پر اگر کسی نے سمجھا اور پرچار کیا ہے تو وہ اقبال ہیں۔

---

[۵۵] حکمت رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۱۱۲، ۱۱۳

عظمت آدم کا جو نظریہ اقبال نے پیش کیا ہے وہ رومی سے فیض یافتہ ہے اور خلیفہ صاحب نے رومی اور اقبال کے نظریات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔

حکمت رومی کے چھٹے باب کا عنوان ہے "صورت و معنی" اس باب میں خلیفہ صاحب نے واضح کیا ہے کہ مولانا روم "صورت و معنی" کو دو مستقل حقیقتیں سمجھتے ہیں اور ان کی ہم آہنگی اور یک رنگی کو کمال انسانی تصور کرتے ہیں۔ اہل ظاہر صورت اور جسم کے سراب کو عین حقیقت سمجھتے ہیں لیکن اہل باطن صورت کے پیچھے معنی اور جسم کے پیچھے مقصود جسم یعنی روح کی تلاش کرتے ہیں۔ صورت سراب دھوکا یا واہمہ ہو سکتی ہے معنی سراب نہیں ہوتے۔ صورت و معنی کے فلسفے پر بحث کرتے ہوئے خلیفہ صاحب یہاں اس فلسفے کا مثنوی مولانا روم پہ اطلاق کرتے ہیں وہاں لکھتے ہیں۔

"مولانا روم کا صورت و معنی کا فلسفہ تمام تر ماہیت روح پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک روح کی حقیقت نور شعور ہے جو شعور مادے سے لے کر دیدارِ جمال ذات حق تک ترقی کرتا ہے۔ یہ نور شعور اپنے ارتقا میں مختلف قالب اختیار کرتا ہے۔ کیونکہ ہر منزل پر اس کو نئے حالات کے لیے نئے آلات کی ضرورت پڑتی ہے۔" ؎۵

صورت و معنی کا رشتہ اس لازمی شعور اور قالب کا رشتہ ہے خلیفہ صاحب نے مثنوی کے بے شمار اشعار صورت و معنی کے اس فلسفے کی وضاحت میں پیش کیے ہیں اور ان کی تشریح میں معارف کے دروازے کھول دیے ہیں۔ ساتویں باب کا عنوان "عالم اسباب" اور "سلسلہ علت و معلول" ہے۔ اس باب میں صوفیانہ اسرار اور قرآنی رموز کی سائنسی شہادتوں سے بحث کی گئی ہے۔ حکمائے طبیعیات نے طبقات وجود کے بارے میں جو موشگافیاں کی ہیں ان کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے اور صوفیانہ نظریات میں حیات انسانی کے مختلف عناصر کو جس انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس پر بڑی تفصیل سے گفتگو کی ہے۔

حکمت رومی کا آٹھواں اور آخری باب "جبر و قدر" کے مسئلہ پر ہے۔ صوفیا کے ہاں بھی یہ اہم ترین مسئلہ ہے، بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ خاصہ متنازع فیہ مسئلہ ہے اس میں موافق اور مخالف مباحث کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔ وجودی اور شہودی صوفیوں کے اپنے اپنے نظریات ہیں۔ غیر صوفی فلسفیوں کے

؎۵ حکمت رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۔ ۱۷۱

معتقدات بالکل جداگانہ ہیں۔ خلیفہ صاحب نے مثنوی مولانا روم کے حوالے سے اس مسئلے پر بحث کی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مولانا روم کے ہاں اشاعرہ اور معتزلہ دونوں گروہوں کے نظریات میں پر واضح ردعمل موجود ہے۔ ان دونوں گروہوں میں مسئلہ "جبر و قدر" کی تفہیم میں نمایاں اختلاف موجود ہے۔ اشاعرہ سے قبل معتزلہ متکلمین کے گروہ میں مسئلہ جبر و قدر پوری طرح مقبول ہو چکا تھا اور وہ جبر کے قائل ہو چکے تھے۔ اشاعرہ نے یہ نظریہ قائم کیا کہ

"خیر و شر تمام قسم کے اعمال کا خالق خدا ہی ہے۔ لیکن جس فرد کے واسطے سے یہ اعمال ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ ان کو "کسب" کر لیتا ہے۔ اور کسب کے واسطے سے وہ عذاب و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔ مثلاً چوری کا فعل ہے تو وہ خدا کا خلق کردہ ہے لیکن چور اس کا کاسب ہے"۔ سہ

"معتزلہ کا گروہ اس کے برعکس حکمت پسند تھا اور اختیار کو اخلاق کے لیے لازمی سمجھتا تھا۔ ان کے نزدیک فطرۃ اللہ بے آئین نہیں تھی"۔ ھ

ان کے نزدیک خدا تعالیٰ اس بات پر قادر تھا کہ جسے چاہے بخشے، جسے چاہے معتوب کرے آدمی کے ارادے یا عمل کا اس میں کوئی دخل نہیں۔ مولانا روم نے اس فلسفے کی تردید کی۔ انھوں نے اس فلسفے پر الزام لگایا کہ تقدیر اور راضی برضا ہونے کا عقیدہ آدمی کو بے حس کر دیتا ہے۔ مولانا نے جبریوں کے تمام دلائل کی مثنوی میں تردید کی ہے جسے خلیفہ صاحب نے اس باب میں مدلل طریقے سے پیش کیا ہے۔

حکمت رومی پر مجموعی رائے قائم کرنے کے لیے اردو کے مشہور نقاد ڈاکٹر سید عبداللہ کے مندرجہ ذیل جملے خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

"حکمت رومی اگرچہ رومی کے اسرار و رموز کو آشکار کرنے کی سعی ہے مگر اس میں بھی خلیفہ صاحب کا اپنا میلان فکر نمایاں ہے۔ مثنوی رومی کو قرآن در زبان پہلوی قرار دیا گیا ہے اور اس ضمن میں قرآن اور دین ہی کے معارف بیان ہوتے ہیں۔ مگر خلیفہ صاحب کا طریقہ کار یہ بتاتا ہے کہ وہ رومی کے افکار

سہ حکمت رومی از خلیفہ عبدالحکیم ص ۔ ۲۳۱

ھ ایضاً ص ۔ ۲۳۲

کے عقلی عنصر کو نمایاں کر رہے ہیں۔ چنانچہ ایک مقام پر لکھا ہے۔

"استقرائی اور استدلالی علم ایک تنظیمی قوت ہے۔ محسوسات و مظاہر و حوادث میں ربط تلاش کرتی ہے کائنات کے تمام مدارج میں نظم موجود ہے۔ اس لیے ہر درجے میں اس درجے کی عقل پائی جاتی ہے . . . اولیائے کرام نے عقل نبوی اور عقل ایمان کا بھی ذکر کیا ہے۔" ۹

"اس طرح ان کے ہاں عقل کی برتری یا احاطۂ کُل کی ایک صورت نمایاں ہے۔ خیر اس کو عقل کہیں یا ایمان خلیفہ صاحب نے رومی کے عقلی عنصر کو اس کے ایمانی عنصر کے ساتھ تطبیق دی ہے اور مولانا روم کا از سرِ نو مطالعہ کیا ہے۔ رومی کے تمثیلی استقرا کی خوبی بیان کرتے ہوئے اس کی عقلی حقیقتوں کو بے نقاب کیا ہے۔ رومی پر خاص توجہ کرنے والوں میں شبلی اور اقبال دونوں کا درجہ بلند ہے۔ اقبال نے رومی کے فلسفۂ عشق کو خاص طور پر ابھارا ہے مگر خلیفہ صاحب نے رومی کی عقلیات کی خاص تنظیم کی ہے جس کا عقل کی طرف زیادہ ہے۔ یہ تنظیم شبلی کے تجزیہ رومی سے کہیں زیادہ باخبرانہ ہے کیونکہ شبلی فلسفے کے جدید نظاموں سے بالواسطہ شناسائی رکھتے تھے اور ڈاکٹر خلیفہ صاحب اس کے ماہرین میں سے تھے۔" ۱۰

فکرِ اقبال

فلسفہ اقبال کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتابوں میں خلیفہ صاحب کی فکرِ اقبال خاص اہمیت رکھتی ہے۔ یہ کتاب بزمِ اقبال نرسنگ داس گارڈن کلب روڈ لاہور سے پہلی بار ۱۹۵۷ء میں شائع ہوئی تھی۔ کتاب کے صفحات ۶۸۷ ہیں۔ خلیفہ صاحب نے اس کتاب کو بیس ابواب میں تقسیم کیا ہے۔

پہلا باب اقبال کی شاعری کی ارتقائی منازل کا مجموعی احاطہ کرتا ہے۔ دوسرے تیسرے اور چوتھے باب میں اقبال کی شاعری ۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک زیرِ بحث آتی ہے۔ اس سلسلے میں خلیفہ صاحب نے اقبال کی شعری تحریکات اور فکری صلاحیتوں کو سمجھنے کے لیے اقبال کی زندگی، خاندانی حالات کو پس منظر میں رکھا ہے۔ اس زمانے میں اقبال کی شاعری نے جو مختلف مدارج طے کیے ان پر عبدالسلام ندوی کی کتاب "اقبال کامل" اور عبدالمجید سالک کی کتاب ذکرِ اقبال بھی بحث کرتی ہیں۔ لیکن خلیفہ صاحب کا

---

۹ مقالہ از ڈاکٹر سید عبداللہ ثقافت جون جولائی ۱۹۶۵ء ص ۴۸، ۴۹

۱۰ ایضاً ص ۴۹

تجزیہ مورخانہ نہیں فلسفیانہ ہے۔ انھوں نے اقبال کے زمانے سے ان کے فکر کی کڑیاں مرتب کی ہیں۔ پھر ان کڑیوں کو ان کے فلسفۂ زندگی کے ساتھ ہم آہنگ کیا ہے اور یوں اقبال کی شاعری، اقبال کا فلسفہ اور اس کی زندگی ایک ہی عقدے میں نظر آتی ہیں۔ پانچویں باب میں خلیفہ صاحب نے اقبال کے اُن نظریات کو پیش کیا ہے جو انھوں نے اسلام کی تفسیر اور تشریح کے لیے قلم بند کیے ہیں۔ چھٹا باب اقبال کے اُن افکار پر مشتمل ہے جس میں قوم کے لیے فلسفۂ بیداری موجود ہے اور جن کے پیش نظر اقبال کو شاعر انقلاب کہا جاتا ہے۔ اس میں سیدھا سادا "اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو" کا لہجہ بھی موجود ہے اور تشبیہہ و استعارہ کے پردے میں اسلام اور روحانیت کی اعلیٰ علامتوں کے لیے بھی اقبال کا پیغام واضح طور پر موجود ہے۔ ساتویں باب میں اقبال نے مغرب کے ایسے افکار پر تنقید کی ہے جن میں قومیت اور تہذیب و تمدن کے انفعال کی تشریح کی گئی ہے۔ خلیفہ صاحب نے اقبال کے افکار کے پس منظر میں اسپنگلر اور نا ٹن کے نظریات کو خاص طور پر رکھا ہے۔

خلیفہ صاحب کا خیال ہے کہ اسپنگلر نے اپنی کتاب زوال مغرب میں جن نظریات کا اظہار کیا ہے اس سے یوں کچھ ظاہر ہوتا ہے جیسے اسپنگلر قوم کی تعریف کرتے ہوئے صحت مند نظریات پیش نہیں کرتا۔ اسپنگلر کی گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ کچھ اُمتیں بھی نباتی یا حیوانی وجود کی طرح پیدا ہوتی ہیں اور فنا ہو جاتی ہیں اور اقبال کو اس نظریے سے اتفاق نہیں۔ خلیفہ صاحب کا کہنا ہے۔

"کہ جب علامہ اقبال کے سامنے یہ خیال پیش کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ درست ہے۔ اُمتوں کے لیے اجل تو ہے۔ لیکن اہل مغرب نے جو یہ خیال پھیلا دیا ہے کہ کوئی اُمت دوبارہ زندہ نہیں ہو سکتی یہ غلط ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ یہ خیال زوال یافتہ مشرقی قوم کو مایوس کرنے کے لیے ان کے ذہنوں میں ڈالا گیا ہے۔ اسلام تو ساری دنیا کے مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا قائل ہے۔ وہ اُمتوں کی حیات ثانی کا کیسے منکر ہو سکتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ خزاں میں درختوں پر موت طاری ہو گئی ہے لیکن بہار میں وہ پھر نئے برگ و بار پیدا کرتے ہیں۔"[۱۱]

آٹھواں باب اشتراکیت کا ہے۔ اقبال مشہور اشتراکی فلسفی اور رہنما کارل مارکس کے نظریات

---

[۱۱] فکر اقبال طبع سوم ۱۹۶۴ ص ۱۸۱، ۱۸۲

سے کافی حد تک متاثر ہے۔ لیکن مارکس کے صرف ان نظریات کو قابلِ قبول سمجھتے تھے، جن کا جواز اسلام میں موجود ہے۔ اسلام بھی انسانی مساوات اور رزق کی عادلانہ تقسیم کا قائل ہے۔ کارل مارکس کے جن نظریات میں رزق و معاش کا عادلانہ پرچار موجود ہے، ان پر دراصل اسلام ہی کی چھاپ نظر آتی ہے۔ خلیفہ صاحب اقبال کے نظریات کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"اقبال کے نزدیک اشتراکیت میں حق و باطل کی آمیزش ہے۔ اس میں جو دلکشی اور مفاد کا پہلو ہے، وہ حق کے عنصر کی وجہ سے ہے۔ دنیا میں رزق کی عادلانہ تقسیم عین دین ہے اور اس معاملے میں روس نے جو کوشش کی ہے وہ سراہنے کے لائق ہے۔ حضرت مسیح نے فرمایا کہ انسان کی زندگی صرف روٹی سے نہیں، اسے روحانی غذا کی بھی ضرورت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انسان روح کے علاوہ جسم بھی رکھتا ہے اور نفس و بدن کا رابطہ کچھ اس قسم کا ہے کہ پیٹ میں روٹی نہ ہو تو انسان نہ حقوق اللہ ادا کر سکتا ہے اور نہ حقوق العباد۔ اسی لیے اسلام نے معاش و رزق کی عادلانہ تقسیم و تنظیم کو بھی جزوِ دین قرار دیا۔" [۱۲]

خلیفہ صاحب نے اقبال کی مختلف کتابوں سے اقبال کے ان نظریات کو ثابت کیا ہے۔ ان میں بانگِ درا، جاوید نامہ اور پیامِ مشرق خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

فکرِ اقبال کے باقی ابواب میں اقبال کے شاعرانہ مرتبے کو سمجھنے پر صرف ہوئے ہیں۔ ان میں اقبال کی زندگی، نظریات اور فن پر محاکمہ بھی ہے اور ان کی تشریح بھی۔ مختلف عنوانوں کے تحت مثلاً جمہوریت عقل پر انسان کی تنقید، عشق کا تصور، تصوف اسرارِ خودی، اقبال اپنی نظر میں، گلشنِ راز جدید، فنونِ لطیفہ، ابلیس، رموزِ بے خودی وغیرہ پر خلیفہ صاحب کے حکیمانہ تاثرات کا مطالعہ اقبال کی اہم کڑیاں ہیں۔ انیسویں باب میں خلیفہ صاحب نے اقبال پر جو اعتراضات کیے گئے، ان کا جواب دیا ہے اور ثبوت کے طور پر اقبال کے نظریات کو پیش کیا ہے۔

کتاب کے آخر میں ایک باب خلاصۂ افکار کا بھی ہے جس میں خلیفہ صاحب نے انہی ابواب میں بیان کیے گئے نظریات پر ایک طائرانہ نظر ڈالی ہے۔ اس کے بعد علامہ اقبال کے اُن سات

---

[۱۲] فکرِ اقبال ص ۲۴۵

خطبات کا خلاصہ درج ہے۔ جن کا اسلام کے جدید علم الکلام میں خاص درجہ ہے۔ ان خطبات میں علامہ نے اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے امکانات پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ عام قاری کو اقبال کے فکر اور فلسفے سے روشناس کرانے کے لیے خلیفہ صاحب کی یہ کوشش بہت کامیاب اور مفید ہے۔

خلیفہ عبدالحکیم نے جس زمانے میں یہ کتاب لکھی، اس سے پہلے اقبال پر دو اہم کتابیں شائع ہو چکی تھیں جن میں ایک ڈاکٹر یوسف حسین کی "روحِ اقبال" ہے اور عبدالسلام ندوی کی "اقبال کامل"۔ ڈاکٹر یوسف حسین کی کتاب سے فکرِ اقبال میں جا بجا استفادہ کیا گیا ہے۔ اس کا ثبوت "روحِ اقبال" کا پہلا باب "اقبال اور آرٹ" ہے۔ اس باب کا عکس خلیفہ صاحب کی فکرِ اقبال میں متعدد مقامات پر نظر آتا ہے۔ ایک جگہ ڈاکٹر یوسف حسین صاحب نے لکھا ہے۔

"کہ اقبال کی زندگی میں مشرق و مغرب کے علم و حکمت کے دھارے آ کر مل گئے ہیں۔ اس کا کلام اس کے دل و دماغ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا آئینہ دار ہے۔ اس نے عہدِ جدید کے انسان کا جو تصور پیش کیا ہے جسے وہ مردِ مومن کہتا ہے وہ ایسا جاندار ہے جو ہمیشہ زندہ رہے گا۔" [۱۳]

خلیفہ صاحب نے فکرِ اقبال کی تمہید میں انھی خیالات کا اظہار کیا ہے۔ لیکن اپنے اسلوب میں پھر ڈاکٹر یوسف حسین کے ان جملوں کی گونج بھی خلیفہ صاحب کی کتاب میں اکثر سنائی دیتی ہے کہ

"اقبال کے نزدیک حسن اور صداقت ایک ہے آرٹ کی اعلیٰ قدر و قیمت یہ ہے کہ وہ روحانی اور اخلاقی قدروں کا احساس اور توازنِ ادراکِ حسن کے ذریعے پیدا کرے۔" [۱۴]

ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم کی مدرسانہ زندگی کا ان کے اسلوب پر گہرا اثر ہے۔ ان کا تنقیدی انداز تشریحی ہے۔ خلیفہ صاحب فلسفیوں کی طرح بات کو ارفع بنا کر پیش نہیں کرتے بلکہ عام فہم اور روزمرہ گفتگو کا لہجہ دیتے ہیں۔ مجھے خلیفہ صاحب کے ایسے دوستوں سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے، جو زندگی میں اُن کی عالمانہ گفتگو سے استفادہ کر چکے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ خلیفہ صاحب کی کتابیں پڑھ کر یہی محسوس ہوتا ہے جیسے وہ کسی مجلس میں گفتگو کر رہے ہیں۔

---

[۱۳] روحِ اقبال از ڈاکٹر یوسف حسین خاں مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی ۱۹۶۳ء ص ۱۸

[۱۴] ایضاً ص ۲۳

فکرِ اقبال کی اہمیت کو سمجھنے کے لیے ایک نظر ان آرا پر بھی ڈال لی جائے جو مختلف نقادوں نے اس کتاب کے بارے میں دی ہیں۔

۱۔ عابد علی عابد صاحب "کتاب کے سرسری مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ صاحب نے بڑی کاوش، محنت اور صبر سے کام لے کر اقبال کے مطالب و معانی کا تجزیہ کیا ہے۔ فکرِ اقبال کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ اس میں اقبال کی شعری تخلیقات سے لے کر علامہ اقبال کے سات انگریزی خطبات کا خلاصہ تک آگیا ہے"۔ ۱۵ے

۲۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب "فکرِ اقبال حکیم مشرق پر شاید سب سے وسیع ترین کتاب ہے کیونکہ اس میں ناقد ایک فلسفی بھی ہے اور مفکر مذہبی بھی۔ ان دو شرطوں کو پورا کیے بغیر کوئی شخص اقبال کا صحیح ناقد بن نہیں سکتا"۔ ۱۶ے

۳۔ پروفیسر حمید احمد خاں "فکرِ اقبال اس خاص موضوع پر ہمیشہ مستند کتاب مانی جائے گی"۔ ۱۷ے

۴۔ بشیر احمد ڈار "ان کی کتاب "فکرِ اقبال" اپنی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے اقبالیات میں ایک بلند ترین مقام رکھتی ہے۔ اس میں انھوں نے اقبال کے فلسفہ کے تمام پہلوؤں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ ان کے بنیادی فلسفہ اور اس سے مستنبط اقتصادی، سیاسی، معاشرتی اور دینی نظریات کو بڑی وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اس کے آخر میں علامہ اقبال کے انگریزی لیکچروں "تشکیل جدید" کے ہر باب کا ایک عمدہ خلاصہ بھی پیش کیا ہے"۔ ۱۸ے

۵۔ رئیس احمد جعفری مرحوم:۔ "فکرِ اقبال اپنے اندازِ بیان، اسلوبِ تحریر، فکر کی گیرائی، خیالوں کی گہرائی اور فلسفہ اقبال کی دلآویز اور سحر طراز ترجمانی کے اعتبار سے اپنی مثال آپ ہے۔ اس کتاب کو پڑھ لینے کے بعد اقبال کی صحیح تصویر آنکھوں کے سامنے ابھر آتی ہے"۔ ۱۹ے

۱۵ے تبصرہ از عابد علی عابد صحیفہ ش ۲ ستمبر ۱۹۵۷ء ص ۲۵۷

۱۶ے مقالہ از سید عبداللہ ثقافت جون جولائی ۱۹۶۵ ص ۴۹

۱۷ے مقالہ از پروفیسر حمید احمد خاں ایضاً ص ۵۵

۱۸ے بشیر احمد ڈار ایضاً ص ۶۱

۱۹ے تبصرہ رئیس احمد جعفری ثقافت اگست۔ بحوالہ رفتارِ ادب ۱۹۵۷ء ص ۵

ان اکابرین کے علاوہ ثقافت کے ایک اور پرچے میں فکرِ اقبال پر رسالہ برہان کی یہ رائے بھی خاصی اہمیت کی حامل ہے۔

"یہ کتاب ایک ایسا صاف شفاف آئینہ ہے جس میں فکرِ اقبال کا چہرہ اپنے تمام خدوخال کے ساتھ مکمل طور پر سامنے آجاتا ہے۔ کتاب اگرچہ بڑی ضخیم ہے لیکن زبان و بیان اور اندازِ تحریر ایسا شگفتہ رواں دواں اور دلچسپ ہے کہ پڑھنے والا ذرا نہیں اکتاتا بلکہ جس قدر آگے بڑھتا جاتا ہے اسی قدر اس کی دلچسپی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ ڈاکٹر یوسف صاحب کی "رُوحِ اقبال" اور مولانا عبدالسلام ندوی کی "اقبالِ کامل" کے بعد اقبال پر یہ تیسری کتاب ہے جو بصیرت افروز، جامع اور محققانہ ہے۔"[۲۱]

نمبر۲۱ برسالہ برہان دہلی بحوالہ ماہنامہ ثقافت لاہور جنوری ۱۹۶۸ء ص ۷۲

الفہرست

محمد بن اسحاق ابن ندیم وراق ——— اُردو ترجمہ : مولانا محمد اسحاق بھٹی

یہ کتاب چوتھی صدی ہجری تک کے علوم و فنون، سیر و رجال اور کتب و مصنفین کی مستند تاریخ ہے۔ اس میں یہود و نصاریٰ کی کتابوں، قرآن مجید، نزول قرآن، جمع قرآن اور قرأ قرآن، فصاحت و بلاغت، ادب و انشا اور اس کے مختلف مکاتب فکر، حدیث و فقہ اور اس کے تمام مدارس فکر، علم نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و حساب۔ سحر و شعبدہ بازی، طب اور صنعت کیمیا وغیرہ تمام علوم۔ ان کے علماء ماہرین اور اس سلسلہ کی تصنیفات کے بارے میں اہم تفصیلات بیان کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں واضح کیا گیا ہے کہ یہ علوم کب اور کیونکر عالم وجود میں آئے۔ پھر ہندوستان اور چین وغیرہ میں اس وقت جو مذاہب رائج تھے ان کی وضاحت کی گئی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس دور میں دنیا کے کس کس خطے میں کیا کیا زبانیں رائج اور بولی جاتی تھیں اور ان کے تحریر و کتابت کے کیا اسلوب تھے۔ ان کی ابتدا کس طرح ہوئی اور وہ ترقی و ارتقا کی کن کن منازل سے گزریں۔ ان بانوں کی کتابت کے نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔ ترجمہ اصل عربی کتاب کے کئی مطبوعہ نسخے سامنے رکھ کر کیا گیا ہے۔ اور جگہ جگہ حواشی بھی دیئے گئے ہیں جس سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔ صفحات ۸۶۴۔ قیمت -/۲۰ روپے

ملنے کا پتہ :۔ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ کلب روڈ لاہور